درسِ قرآن (۳)

سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از ڈاکٹر اسرار احمد

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترتیب و تسوید: جمیل الرحمٰن / عاکف سعید

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ
الذین اصطفٰی خصوصاً علٰی افضلہم وخاتم النبیین
سید المرسلین محمد ن الامین وعلٰی آلہ وصحبہ
و ذرّیتہ اجمعین ـــــ امابعد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ـ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ
اَعْمَالَهُمْ ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ
كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○

صدق اللہ العظیم

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

رب اشرح لی صدری ویسّرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

حضرات! یاد ہوگا کہ پچھلے جمعہ کو ہم نے اس سورۂ مبارکہ کے مطالعہ کا آغاز کیا تھا۔
لیکن اس سورہ کا درس باقاعدہ شروع نہیں ہوسکا تھا بلکہ میں نے ترتیبِ مصحف

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں آپ حضرات کے گوش گزار کی تھیں۔ ان میں سے بھی دو باتیں رہ گئی تھیں جو گویا مجھ پر ایک قرض ہے جسے میں عجلت کے ساتھ ادا کر کے اس سورۂ مبارکہ کے درس کا باقاعدہ آغاز کروں گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

رکوعوں کی تقسیم

ایک بات جو بیان کرنے سے رہ گئی تھی وہ بڑی سورتوں کی تقسیم سے متعلق ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ سورۂ بقرہ چالیس رکوعوں میں تقسیم ہے۔ جبکہ یہ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہم پڑھنے والے ہیں اس کے چار رکوع ہیں۔ — تو درحقیقت رکوعوں کی یہ تقسیم دورِ نبوی یا دورِ صحابہ میں موجود نہیں تھی۔ یہ تقسیم بھی بعد میں کی گئی ہے۔ اس کی غرض و غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ طویل سورتوں کا کوئی حصہ ایک شخص نماز میں پڑھنا چاہے تو معین ہونا چاہیے کہ ایک رکعت میں کتنا حصہ وہ پڑھے کہ بے ربطی بھی پیدا نہ ہو اور مضمون درمیان سے کٹے بھی نہیں۔ بلکہ اس تقسیم میں ایک حسنِ معنوی برقرار رہے۔ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ جس شخص یا جن اشخاص نے بھی یہ تقسیم کی ہے انہوں نے بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ اکثر جگہوں پر جو رکوعوں کی تقسیم ہے وہ تقسیم مضامین کے اعتبار سے درست ہے۔ کہیں کہیں اختلاف کی گنجائش محسوس ہوتی ہے جو میں مختلف مواقع پر اپنے درس کے دوران عرض کرتا رہا ہوں لیکن وہ شاذ کے درجہ میں ہے۔ اکثر و بیشتر تقسیم صحیح ہے۔ — یہ لفظ رکوع رکعت ہی سے بنا ہے۔ آپ جب قیام میں تلاوت کے بعد رکوع کرنا چاہیں تو آسانی کے لیے وہاں رکوع کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ — قرآن مجید کی پینتیس (۳۵) سورتیں تو وہ ہیں جو ایک ایک رکوع پر ہی مشتمل ہیں۔ چھوٹی سورتیں ہیں لہٰذا ان کو ایک رکعت میں پڑھا جا سکتا ہے اور پڑھا جانا چاہیے۔ یہ تو ہماری تن آسانی کا معاملہ ہے کہ ہم اس کو بھی تقسیم کر دیتے ہیں۔ میں آج درس کے لیے آتے ہوئے گن رہا تھا تو اندازہ ہوا کہ بائیس سورتیں وہ ہیں جو دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ پھر تین تین اور چار چار یا ان سے بھی زائد رکوعوں پر مشتمل سورتیں ہیں۔ سب سے زیادہ رکوع سورہ بقرہ کے ہیں جو قرآن حکیم کی طویل ترین سورۃ ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ رکوعوں کی تقسیم بھی دورِ صحابہ میں موجود نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک میں جو مصحف طبع ہوتے ہیں ان میں بعض میں رکوعوں کی تقسیم

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نہیں ہوتی اور رکوع کا نشان نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کا اسلوب

پچھلی گفتگو میں جو دوسری بات رہ گئی تھی اس کا تعلق قرآن مجید کے اسلوب سے ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن کا اسلوب (STYLE) کیا ہے! آج کل کا پڑھا لکھا شخص 'کتاب' کے نام سے جس اسلوب سے مانوس ہے، اس کا اپنا ایک خاص مفہوم ہوتا ہے۔ کتاب کا ایک عنوان ہوگا اور اس عنوان کی مناسبت کے ساتھ اس کے بہت سے ابواب — (CHAPTERS) ہوں گے جو بڑی ترتیب کے ساتھ کتاب کے عنوان یا موضوع کو آگے لے کر چلیں گے۔ ایک تمہید ہوگی، مقدمہ ہوگا۔ پھر اصل کتاب ابواب کی ترتیب کے ساتھ آگے چلے گی۔ ہر باب کا ذیلی عنوان ہوگا اس کے مطابق موضوع سے متعلق بحث کا ایک پہلو مکمل ہو جائے گا۔ اس طرح ترتیب وار الابواب میں بحث آگے بڑھتی چلی جائے گی۔ آخر میں بحث کو سمیٹ کر ایک نتیجہ مرتب کر دیا جائے گا۔ تو کتاب کے نام سے اس اسلوب سے ہم عام طور پر متعارف ہیں۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب نہیں ہے۔ آج کل کتاب کا ایک اور انداز بھی رائج ہے وہ ہے 'مجموعہ مضامین' (COLLECTION OF ESSAYS) ایسی کتابوں میں ہر مضمون اپنے عنوان کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ ایسی کتابوں کو 'مجموعہ مضامین' یا 'مجموعہ مقالات' سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس انداز سے بھی ہم مانوس ہیں۔ لیکن قرآن مجید اس انداز کی بھی کتاب نہیں ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اپنا اسلوب اور اسٹائل کیا ہے! یہ ہے وہ بات جسے لوگ اکثر سمجھ نہیں پاتے۔ لہذا وہ قرآن مجید کے انداز اور اسلوب سے صحیح طور پر مانوس و متعارف نہیں ہو پاتے۔ پھر جو اصناف سخن قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے، جیسے اشعار، غزل، قصیدہ، نظم، — تو قرآن نہ شعر ہے نہ قصیدہ ہے بلکہ شعر کی تو قرآن مجید میں عموماً مذمت کی گئی ہے۔ استثنائی حالات سے متعلق کہا گیا ہے کہ شعر کہنے والوں میں کچھ لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر کے بارے میں سورۃ الشعراء میں قرآن مجید کا جو (فیصلہ) VERDICT آیا ہے وہ یہ ہے کہ: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

یعنی ان میں مبالغہ آرائی ہوتی ہے۔ یہ شعراء ہر وادی میں گھومتے رہتے ہیں اور ان کے پیروکار بڑے بے عمل قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور یہ لوگ، وہ بات کہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو سورۂ یٰسین میں صاف طور پر آیا ہے کہ : وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط "ہم نے انہیں شعر سکھایا ہی نہیں اور نہ ہی وہ ان کے شایانِ شان ہے" جب شعر کے بارے میں مجموعی بات وہ ہے جو سورۂ شعراء میں فرمائی گئی تو گویا کہ یہ بات از خود واضح ہے کہ شعر گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے بہت ہی فروتر شئے ہے ۔ اس ضمن میں یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ اگرچہ حضور کو اچھے اشعار پسند آتے تھے اور آپ ان کی تعریف بھی فرمایا کرتے تھے لیکن آپ کبھی خود کوئی شعر پڑھنا چاہتے بھی تھے تو اس میں کوئی نہ کوئی لفظ آگے پیچھے ہو جاتا تھا کہیں سکتہ پیدا ہو جاتا تھا اور اس طرح وہ شعر بحر اور وزن سے نکل جاتا تھا ۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شعر پڑھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سُنا اور مسکرائے اور مسکراتے ہوئے حضور کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ "اَشْہَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" "میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں۔" مطلب کیا تھا! کہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ آپ کو شعر سے مناسبت نہیں ہے۔ اور اُسی کا ثبوت مل رہا ہے کہ آپ شعر پڑھ رہے ہیں لیکن اس میں کہیں سکتہ ہو گیا ہے کہیں الفاظ آگے پیچھے ہو گئے ہیں — تو قرآن شعر نہیں ہے یہ ثابت ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر یہ ہے کیا۔ یہ معروف معنوں میں کتاب بھی نہیں، یہ مقالہ بھی نہیں، ESSAY بھی نہیں! ان میں سے کوئی بھی اصطلاح (TERM) قرآن مجید پر منطبق نہیں ہوتی۔ یہ ہے قابلِ غور بات!

جدید اصنافِ سخن میں جہاں تک میں نے غور کیا تو میں جس نتیجہ پر پہنچا وہ میں اس سے قبل بھی کسی موقع پر بیان کر چکا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جدید اصنافِ سخن میں دو چیزیں وہ ہیں جو قرآن مجید کے کچھ قریب آتی ہے — ایک وہ جسے آزاد شاعری (BLANK VERSE) کہا جاتا ہے۔ اس میں ایک RHYTHM ہوتا ہے۔ الفاظ کا زیر و بم ہوتا ہے، ایک تناسب اور دلکشی ہوتی ہے لیکن قافیہ، ردیف، بحر، وزن ان چیزوں کا کوئی خاص

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

خیال نہیں رکھا جاتا — اس لیے کہ جہاں ان کی فکر ہو جائے، وہاں کھینچ تان ہو گی کوئی بھرتی کا لفظ لانا پڑے گا۔ کہیں ردیف اور قافیہ کی رعایت کے باعث بہتر لفظ چھوڑ کر کم تر لفظ پر قناعت کرنی پڑے گی — لہٰذا اس میں تصنع آتا ہے۔ لیکن آزاد شاعری میں اس تصنع کی ضرورت نہیں پڑتی — بلکہ ایک مضمون ہے جو چل رہا ہے اس میں کچھ RHYTHM ضرور ہے لیکن بحر، وزن، قافیہ اور ردیف کا کوئی سوال نہیں — تو یہ چیز قرآن مجید کے اسلوب سے کچھ قریب آتی ہے۔

دوسری چیز جو اسلوبِ قرآنی کے کچھ قریب آتی ہے، وہ "انشائیہ" ہے کہ ایک شخص اس کے بجائے کہ وہ کوئی عنوان و موضوع سامنے رکھ کر کوئی مقالہ یا مضمون لکھ رہا ہو بلکہ اس کے ذہن پر کسی خیال کا ورود ہوا ہے اور وہ اُسے اٹھا رہا ہے۔ انشائیہ کے معنی اٹھانے کے ہیں — تو وہ اس خیال کو اٹھا رہا اور بیان کر رہا ہے یا لکھ رہا ہے تو یہ "انشائیہ" کہلاتا ہے اور جدید اصنافِ سخن کا یہ اسلوب بھی قرآن کے اسٹائل کے کچھ قریب آتا ہے۔

لیکن اصل میں قرآن مجید کا جو اسلوب اور اسٹائل ہے وہ **خطبات** کا ہے اس کو میں یوں کہا کرتا ہوں کہ قرآن "COLLECTION OF DIVINE ORATIONS" ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ **خطباتِ الٰہیہ کا مجموعہ** ہے۔ مختلف اوقات اور مختلف مواقع پر جو خدائی خطبات جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے — اور اس وقت جو حالات تھے، جو کیفیات تھیں، ان پر تبصرے ہیں، جو ان خطبات کی شکل میں کیے گئے۔ اس وقت جو مسائل اٹھے ہوئے ہیں، ان کا ان میں حل ہے۔ اس وقت جو اعتراضات اور اشکالات پیش کیے گئے، ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس وقت اگر ضرورت مقتضی تھی کہ حلال و حرام کے احکام واضح کیے جائیں تو وہ احکام بیان کر دیئے گئے۔ گویا کہ جس طرح ایک خطیب خطبہ دیتا ہے اور اس وقت کے جو مسائل ہیں، ان پر اظہارِ رائے کرتا ہے۔ کبھی وہ ایک بات کہتا ہے اور اس کو ادھورا چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دیتا ہے۔ پھر پہلی بات کی طرف آتا ہے۔ خطیب کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک لائن پر چلے، اس کے خطبہ میں منطقی ربط ہو وہ کبھی ایک موضوع کو طوالت دے کر پھر یہ کہہ کر کہ "میں اپنے اصل موضوع کی طرف

© rasailojaraid.com

واپس آتا ہوں، اپنے اصل موضوع کی طرف پلٹتا ہے ـــــ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے یہ تو ملے گا کہ کبھی کسی درمیانی موضوع پر بات طویل ہوگئی، پھر اصل موضوع زیرِ گفتگو آگیا۔ لیکن آپ کو یہ الفاظ نہیں ملیں گے کہ اب آیئے اصل موضوع کی طرف ـــــ یہ بات قرآن مجید پر غور و تدبر کرنے والے کو تلاش کرنی ہوگی۔ اسی طرح خطیب کبھی سامعین کو حاضر کے صیغہ میں مخاطب کرتا ہے، کبھی ان کو غائب کے صیغہ میں ـــــ یا غیر موجود افراد کو حاضر گردان کر حاضر کے صیغہ میں اُن سے براہِ راست خطاب کا انداز اختیار کرتا ہے ـــــ تو ہمارے ادب اور سخن کی جو معروف اصناف ہیں، ان میں سے [illegible] ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کا اسلوب اور اسٹائل خطبات جیسا ہے ـــــ پس یہ دو باتیں تھیں جو مجھے عرض کرنی تھیں چونکہ گذشتہ گفتگو میں یہ رہ گئی تھیں ـــــ اب ہم اللہ کا نام لے کر درس شروع کرتے ہیں۔ پہلے چند باتیں خاص اس سورت سے متعلق ذہن نشین فرمالیجئے۔

اِس سورۂ مبارکہ کے نام

اس سورۂ مبارکہ کے متعلق یہ بات تو میں نے آپ کو پچھلی نشست میں بتادی تھی کہ اس کے دو نام ہیں۔ ایک تو وہی مشہور نام یعنی محمدؐ ـــــ چونکہ دوسری آیت ہی میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اسمِ گرامی آیا ہے تو اس اعتبار سے اس سورہ کو آپؐ ہی کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا دوسرا نام ہے 'سورۃ القتال' اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۲۰ میں لفظ قتال آیا ہے اور قتال اس سورۂ مبارکہ کا ایک مرکزی مضمون بھی ہے لہٰذا اس سورۂ مبارکہ میں جو موضوعات زیرِ گفتگو آئے ہیں، ان میں اہم ترین موضوع کی مناسبت سے اسے 'سورۃ القتال' بھی کہا گیا۔

اِس سورت کا اسلوب

دوسری بات اس سورہ کے متعلق جاننے کی یہ ہے کہ اس کا اسلوب (STYLE) مدنی سورتوں سے منفرد ہے۔ یہ اسٹائل آپ کو مدنیات میں کہیں اور نہیں ملے گا۔ یہ بات تو آپکو اکثر مدنی سورتوں میں مل جائے گی کہ بلاتمہید براہِ راست بات شروع ہوجاتی ہے۔ پھر جو مدنی سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں وہ صرف دو ہیں ایک 'البقرہ' اور دوسری 'آلِ عمران' ـــــ دونوں کا الٓمّٓ سے آغاز ہوا ہے جبکہ مکیات میں ستائیس

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

سورتیں وہ ہیں جو حروفِ مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ پھر آگے چل کر چھٹے گروپ کی جو مدنیات آئیں گی ان میں پانچ سورتوں کو ہم مسبحات کہتے ہیں۔ ان کا آغاز بڑے پُرجلال اسلوب سے ہوتا ہے جیسے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ ورنہ اکثر و بیشتر مدنی سورتیں وہ ہیں جن میں حروفِ مقطعات بھی نہیں ہیں اور جن میں تمہید بھی نہیں ہے بلکہ براہِ راست گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے ہم سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں دیکھتے ہیں کہ براہِ راست نبی اکرمؐ سے خطاب فرما کر بات کا آغاز ہو جاتا ہے، یا جیسے سورۃ النساء شروع ہو جاتی ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ الخ کے الفاظ سے — اسی طرح سورۂ مائدہ شروع ہوتی ہے — يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کے الفاظ سے — اس ضمن میں مزید سورتوں کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس اعتبار سے جو اکثر مدنی سورتوں کا اسلوب ہے وہی اس زیرِ درس سورت کا بھی ہے۔ البتہ اس میں ایک یہ خاص بات آپ دیکھیں گے کہ اس سورت کی اڑتیس آیات ہیں ان میں سے دو کے سوا بقیہ چھتیس آیات 'ھُم' یا 'کُم' پر ختم ہوتی ہیں۔ مثلاً اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ گویا ہم جن کو قوافی کہتے ہیں وہ ۳۶ آیات میں آپ کو ملیں گے۔ دوسری خاص بات آپ کو یہ نظر آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ختم ہونے والی کوئی بھی آیت اس سورت میں موجود نہیں ہے جبکہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اکثر و بیشتر آیات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ختم ہوتی ہیں۔ جیسے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا — تو یہ انداز آپ کو اس سورتِ مبارکہ میں بالکل نہیں ملے گا۔ مدنی سورتوں میں اس انداز کی یہ سورت اپنی جگہ بالکل منفرد ہے۔

اس سورہ کا زمانۂ نزول

تیسری بات جو اس سورت کے سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے، وہ اس کا زمانۂ نزول ہے۔ اگر اس کا تعین نہ ہو تو اس سورت کے بعض مضامین کو سمجھنے میں آدمی کو شدید دقت

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پیش آتی ہے۔ میں نے جو تحقیق کی تو یہ بات میرے سامنے آئی کہ ہمارے بعض مفسرین نے تو اس مسئلہ کو چھیڑا ہی نہیں۔ بعض نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق اس کے زمانۂ نزول کو معیّن کیا ہے۔ ان میں سے مجھے ان مفسرین کی رائے سے اتفاق ہے جنہوں نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ غزوۂ بدر سے متصلاً قبل نازل ہوئی ہے۔ یہ بات تو میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً پہلے تک قرآن مجید کی جو آیات نازل ہوئی ہیں، وہ اکثر و بیشتر سورۂ بقرہ میں جمع ہیں۔ سولہ سترہ ماہ تک جو خطبات وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتے رہے ان کے متعلق آپؐ ہدایات جاری فرماتے گئے کہ ان آیات کو فلاں جگہ رکھو یا اُس آیت کو فلاں آیت کے بعد یا پہلے رکھو وغیرہ۔ درحقیقت ایسی تمام آیات نے سورۂ بقرہ کی شکل اختیار کی۔ میرے علم کی حد تک اس میں دو مقامات ایسے ہیں جو اس قاعدہ سے مستثنٰی ہیں۔ ممکن ہے اور بھی ہوں۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کے متعلق ہمیں روایت ملتی ہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں عطا ہوئی ہیں۔ اور یہ عرش تلے کے خاص خزانوں میں سے وہ قیمتی موتی ہیں جو اللہ تعالٰے نے امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے تحفے کے طور پر حضورؐ کو عطا فرمائیں۔ اسی طرح سود کی حرمت والی جو آیت ہے اور یہ جس رکوع میں آئی ہے اس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام آیات قریباً ۹ھ میں جاکر نازل ہوئی ہیں

قرآن مجید میں اکثر سورتیں ایسی بھی ہیں جو یک وقت نازل ہوئیں لہٰذا ایسی سورتیں اپنی اپنی جگہ ایک مکمل خطبہ ہیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ تو بہت طویل سورت ہے — ڈھائی پاروں کے لگ بھگ پھیلی ہوئی ہے اور اس میں ۲۸۶ آیات ہیں تو درحقیقت یہ مجموعہ خطباتِ الٰہیہ ہے۔ البتہ سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ گو یہ بھی غزوۂ بدر سے متصلاً قبل نازل ہوئی ہے لیکن یہ یقیناً یک وقت نازل ہوئی ہے اور یہ بھی ایک مکمل خطبہ ہے۔ اس کا اسلوب (STYLE) بتا رہا ہے کہ یہ مختلف اوقات میں نازل ہونے والی سورت ہے ہی نہیں — اس میں توافق کا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جو اہتمام ہے، اس کا مضمون جس طرح سے مربوط ہے، وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک ہی خطبہ ہے جو بیک وقت نازل ہوا ہے اور اس موتی کو مصحف میں اس مقام پر جڑ دیا گیا ہے۔

اِس مقام پر لانے کی حکمت

یہ سورت اس مقام پر کیوں رکھی گئی۔

اِس کے متعلق میں پچھلی نشست میں عرض کر چکا ہوں اسی کا اعادہ کر رہا ہوں کہ جس طریقہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے گروپ کی جو دو مدنی سورتیں ہیں یعنی سورۃ انفال اور سورۃ حجرات، جو تعلق ان میں ہے، بعینہٖ وہی ربط و تعلق سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سورۃ فتح میں ہے۔ سورہ انفال اور سورہ توبہ سے پہلے دو مکی سورتیں ہیں۔ سورہ انعام اور سورہ اعراف جن میں ... یہ اتمام حجت ہے۔ اس اتمام حجت کے بعد چونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ جو چند لوگ ایمان لائے وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ محدودے چند لوگ ایسے بھی تھے کہ ایمان تو لا چکے تھے مگر وہ ہجرت نہ کر سکے۔ لیکن اس وقت مکہ کی عظیم ترین اکثریت اُن قریشیوں پر مشتمل تھی جو ایمان نہیں لائے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جو دائمی سنت ہے کہ جس قوم کی طرف رسول بھیج دیا جائے؛ وہ قوم اگر انکار کرے گی تو اس پر عذابِ خداوندی آ کر رہتا ہے۔ اس لیے کہ اس قوم پر آخری درجہ میں اتمامِ حجت ہو جاتا ہے کہ ان ہی میں ایک فرد، ان ہی کی زبان بولنے والا، ان ہی میں بود و باش رکھنے والا، ایک شخص جس کی پوری زندگی اُس قوم کے سامنے ہے، جس کے بے داغ کردار اور اخلاقِ حسنہ کا مشاہدہ اس قوم نے کیا ہے، وہ اگر انہیں اللہ کی طرف دعوت دے اور اس کی دعوت کو بھی وہ قوم رد کر دے تو ایسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہاں پھر رعایت نہیں ہوتی۔ پھر اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ ہلاک کرنے کے مختلف انداز رہے ہیں۔ کبھی سیلاب آ گیا جیسے حضرت نوحؑ کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔ کبھی قوم کے سر برآوردہ لوگوں کو باہر نکال کر سمندر میں ڈبو دیا گیا جیسے فرعون اور اس کے لشکر کے ساتھ معاملہ ہُوا۔ کچھ بستیوں کو الٹ دیا گیا۔ کچھ بستیوں پر تیز آندھی بھیج دی گئی۔ جس میں پتھر تھے۔ کہیں زلزلہ آ گیا تو یہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مختلف طریقے ہیں جن سے قومِ نوح ، قومِ لوط ، قومِ ہود ، قومِ صالح ، قومِ شعیب ، آلِ فرعون نیست و نابود کی گئیں ۔ یہ اللہ تعالےٰ کی سنت ہے چنانچہ مکی دور کے آخر میں سورہ انعام اور سورہ اعراف کے نزول کی شکل میں گویا بنو اسماعیل پر اتمامِ حجت ہوگیا ۔ یہی وجہ ہے ہجرت کے دو ہی سال بعد غزوۂ بدر کی شکل میں قریش کے ان لوگوں پر اللہ کا عذاب آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سخت ترین مخالف تھے ۔ اور قریشِ مکہ پر اللہ کے عذاب کی یہ پہلی قسط قریش ہی میں سے اُن لوگوں کے ہاتھوں آئی جو ایمان لے آئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے اب مدینہ میں مقیم تھے ۔ چنانچہ مہاجرین کے ہاتھوں میدانِ بدر میں ان متکبرین قریش میں سے ستر سرکردہ افراد کی گردنیں کٹوائی گئیں ۔ عذاب کی یہ خاص صورت تھی جو اللہ تعالےٰ نے مشرکینِ مکہ کے لیے طے فرمائی تھی ۔ یہ گویا مشرکینِ مکہ پر عذابِ الٰہی کی پہلی قسط تھی جس کا ذکر ہے سورہ انفال میں ۔ اور اس عذاب کا نقطۂ عروج وہ ہے جس کا ذکر ہے سورہ توبہ میں کہ حج کے موقع پر اعلانِ عام کر دیا گیا کہ مشرکین کے لئے چار مہینوں کی مہلت ہے جس کے بعد ان کا قتلِ عام ہوگا اگر وہ ایمان نہیں لائے ۔

حاصلِ کلام یہ کہ سورہ انفال جس میں مشرکینِ مکہ پر عذابِ الٰہی کی پہلی قسط کا ذکر ہے اور سورہ توبہ جس میں اس عذاب کے نقطۂ کمال کا ذکر ہے ، دونوں کو جوڑ کر مصحف میں اُن دو مکی سورتوں کے بعد رکھ دیا گیا جن میں مشرکینِ مکہ پر اتمامِ حجت کر دیا گیا تھا یعنی سورۂ انعام اور سورۂ اعراف ۔ بالکل یہی ربط و تعلق سورۂ محمدؐ اور سورۂ فتح میں نظر آتا ہے ۔ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نازل ہوئی ہے غزوۂ بدر سے متصلاً قبل ۔ گویا مشرکینِ مکہ پر عذابِ خداوندی کی پہلی قسط کی تمہید اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئی ہے ۔ جبکہ اُس عذابِ الٰہی کی آخری قسط یعنی فتحِ مکہ کی تمہید ہے صلح حدیبیہ ، چنانچہ اس کا ذکر سورہ فتح میں آرہا ہے جس کا آغاز ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ سے : اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿﴾ ۔ لہٰذا سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سورہ فتح کو مصحف میں اس مقام پر یکجا کر دیا گیا ۔ باقی اس گروپ کی جو تیسری مدنی سورت ہے یعنی سورۂ الحجرات ، وہ ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے ۔ اس کے متعلق ہم نے عرض کیا تھا کہ اس کی حیثیت سورہ فتح کی آخری دو آیات کی شرح اور توضیح و

تفصیل کی ہے اور اس اعتبار سے وہ گویا سورہ فتح کے ایک ضمیمہ اور تتمے کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ یوں کہ سورہ فتح کی آخری آیت ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ...... الخ دراصل سورہ حجرات کے اکثر و بیشتر حصّہ کی شرح پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سورہ حجرات کے آخری حصّہ میں جہاد کا ذکر ہے۔ اُس کا تعلق درحقیقت سورہ فتح کی آخری آیت سے ماقبل آیت سے ہے: هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ

یہ میرے نزدیک سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ رائے درست ہے کہ یہ غزوۂ بدر سے قبل نازل ہوئی ہے۔

ایک اہم نکتہ

یہ نکتہ پیشِ نظر رکھیے کہ مکّہ کے جو بارہ ساڑھے بارہ برس ہیں ان میں مسلمانوں کو ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ جس کا میں نے "PASSIVE RESISTANCE" کے نام سے آپ حضرات کے سامنے بارہا ذکر کیا ہے، کہ ماریں کھاؤ لیکن ہاتھ نہ اٹھاؤ ــــ اس کے بعد سورہ حج کی آیات ۳۹ تا ۴۱ نازل ہوئیں جن میں یہ آیت بھی ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ یعنی اجازت دی جارہی ہے ان لوگوں کو جن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے جن پر جنگ ٹھونسی گئی ہے لیکن اب تک ان کو ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی، اب ان کے ہاتھ بھی کھول دیئے گئے ــــ اجازت کے ساتھ ہی نصرت کا وعدہ بھی فرمالیا چنانچہ آیت کے اختتام پر فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ "اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے"، ــــ سورہ حج کی آیات ۳۹ تا ۴۱ کے متعلق ایک عرصے سے میرا گمان یہ تھا کہ یہ دورانِ سفرِ ہجرت میں نازل ہوئی ہیں۔ الحمدللہ مجھے حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک روایت بھی مل گئی کہ ان رضؓ کی رائے بھی یہی ہے کہ سورہ حج کی یہ آیات نہ مکّی ہیں نہ مدنی بلکہ درحقیقت اثنائے سفرِ ہجرت میں نازل ہوئی ہیں ــــ بہر حال ان آیات میں جو بات فرمائی گئی اُس کو ہم اذنِ قتال کہیں گے۔ ابھی حکمِ قتال نہیں آیا ــــ چنانچہ ہجرت کے فوراً بعد سورہ بقرہ جو پہلی مدنی سورت ہے، اس میں قتال کی فرضیت کا حکم آگیا: کُتِبَ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ ـــــ اور بار بار اس حکم کو مختلف اسالیب سے دہرایا گیا۔
آیت ۱۹۰ میں فرمایا: وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ ۔
پھر آیت ۱۹۳ میں فرمایا: وَقَاتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰہِ ؕ ـــــ "اور ان مشرکین سے جنگ جاری رکھو حتیٰ کہ فتنہ بالکل فرو نہ ہو جائے؛ اور دین یعنی نظامِ اطاعت اللہ ہی کے لیے نہ ہو جائے"۔

حکمِ قتال تو آ گیا لیکن فی الواقع قتال کی کوئی شکل پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی تمہید کے طور پر سورہ بقرہ میں حضرت طالوت اور جالوت کے قتال کا ذکر کر دیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت مارا گیا اور اُن کی شخصیت اُبھر کر سامنے آئی جو ایک نوجوان چرواہے تھے۔ بعد میں وہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور بنی اسرائیل کی بادشاہت بھی ان کے حصہ میں آئی ــــ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امت کے اس واقعہ کے حوالہ سے گویا حضورؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کو پیشگی بتا دیا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے والی ہے اور حضرت طالوت کے اہلِ ایمان ساتھیوں کے اس قول کے ذریعہ جو جالوت کے لشکر کے مقابلہ میں بہت تھوڑے تھے، اپنی یہ سنت بھی بطور بشارت بیان فرما دی: قَالَ الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰہِ ۙ کَمۡ مِّنۡ فِئَۃٍ قَلِیۡلَۃٍ غَلَبَتۡ فِئَۃً کَثِیۡرَۃًۢ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ۔ "جو لوگ جالوت کے لشکر جرار کو دیکھ کر ہراساں ہو رہے تھے، اور کم ہمتی دکھا رہے تھے، ان سے" ان لوگوں نے کہا جن کو یقین تھا کہ انہیں اللہ سے آخرت میں ملنا ہے کہ بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" گویا بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس واقعہ کے بالکل متوازی اُمتِ محمدؐ میں جو اہم واقعہ یعنی غزوۂ بدر ہونے والا تھا، اس کے ضمن میں بغیر اس کا پیشگی ذکر کیے حضرت طالوت و جالوت کے اس مقابلہ کے حوالہ سے اہلِ ایمان کو بتا دیا گیا کہ اگر تم نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور اللہ کی راہ میں سرفروشی دکھائی تو اللہ تعالیٰ تمہاری قلیل تعداد کے باوصف تمہیں کفار اور دشمنوں کے لشکرِ جرار پر غلبہ عطا فرمائے گا۔

تمہیدی گفتگو اور چند باتوں کی تشریح میں اچھا خاصا وقت لگ گیا۔ ان شاء اللہ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

قرآن فہمی اور خاص طور پر زیرِ مطالعہ سورت کو سمجھنے میں یہ باتیں مفید و نافع ہوں گی۔
اب آئیے ہم اس سورہ مبارکہ کے مطالعہ کا آغاز کرتے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ؕ

پہلی آیت کی تشریح و توضیح

اس پہلی آیت کی رواں ترجمانی یہ ہو گی کہ "جن لوگوں نے اُس تعلیم و ہدایت کو جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نوعِ انسانی کی رہنمائی کے لیے نازل ہوئی تھی، خود بھی اس سے انکار کیا اور خود ہی نہیں رکے بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کا راستہ قبول و اختیار کرنے سے روکا۔ اللہ نے ان کے اعمال کو بھٹکا دیا، گمراہ کر دیا، ضائع کر دیا۔" اس آیت کی تفہیم کے لیے چند باتیں نوٹ کیجئے — پہلی یہ کہ اس سورہ مبارکہ کا آغاز کسی تمہید کے بغیر ہوا ہے — دوسری یہ کہ "اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا" فرما کر مشرکینِ مکہ اور اہلِ کتاب میں سے منکرینِ حق دونوں کا احاطہ فرما لیا گیا — تیسری یہ کہ "وَصَدُّوْا" کا لفظ استعمال فرمایا جو عربی زبان میں فعلِ لازم اور متعدی، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اس لفظ نے دونوں مفاہیم کا احاطہ کر لیا کہ خود بھی اللہ کے راستہ پر آنے سے باز رہے اور دوسرے کو بھی اس کو قبول کرنے سے روکا — اس روکنے کی بے شمار صورتوں پر مشرکین اور اہلِ کتاب عمل پیرا تھے۔ داعیٔ اوّل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص اور ایمان لانے والوں کو بالعموم تمسخر و استہزاء اور لعن طعن کا ہدف بنانا [illegible] جن پر قابو تھا ان کو زبردستی ایمان لانے سے روکنا، ایمان لانے والوں پر انتہائی تشدد اور ان پر مظالم کے ایسے پہاڑ ڈھانا کہ ان کا ایمان پر قائم رہنا دشوار ہو جائے اور دوسروں کے لیے اس ستم و تعدی کو دیکھ کر ایمان لانا مشکل ہو جائے۔ ان کی ہمت جواب دے دے۔ یہ وہ حربے تھے جو مشرکین [illegible] استعمال کرتے تھے۔ اہلِ کتاب بالخصوص یہود کے ہتھکنڈے یہ تھے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور پر ایمان والوں کے خلاف لوگوں کو ورغلائیں اور ایسے ایسے دسوسے اور شکوک لوگوں کے دلوں

© rasailojaraid.com

میں ڈالیں کہ وہ دینِ حق سے بدگمان ہو جائیں۔

"صُدُّوا" کا ایک اور ہمہ گیر مفہوم : علاوہ ازیں ہر وہ شخص بھی اللہ کے راستہ سے روکنے والوں کے زمرے میں آئے گا جو خالص مادی اقدار کو سامنے رکھ کر اپنی اولاد کی پرورش کرتا اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے کہ جس کے نتیجہ میں عملی ہی نہیں بلکہ فکری و اعتقادی اعتبار سے بھی ان کا اپنے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ آئندہ نسل واقعی مسلم و مومن ہوگی! ۔۔۔ بُرا نہ مانیئے گا، اپنے معاشرے کا ذرا ٹھنڈے دل اور منصفانہ نظر سے جائزہ لیجئے ۔۔۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ جس شخص کو بھی وسائل میسّر آسکے چاہے وہ حلال سے آئے ہوں یا حرام سے۔ اِلّا ماشاء اللہ اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا ان کا مطمحِ نظر یہ ہوتا ہے کہ ان کو بیرونی ممالک میں ایکسپورٹ کر دیں۔ تاکہ وہ وہاں سے زیادہ سے زیادہ روپیہ کما کر ان کو بھیجیں اور اس طرح وہ اپنا معیارِ زندگی بلند سے بلند تر کرتے چلے جائیں۔ حد تو یہ ہے کہ وہ محض طلبِ زر کی خاطر اپنی اولاد کو بعض ایسے ممالک میں بھیجنے میں بھی ذرا باک محسوس نہیں کرتے جو اعتقادی تہذیبی، تمدنی اعتبارات سے خالص کافرانہ، ملحدانہ اور مادہ پرستانہ نقطہ ہائے فکر و نظر کے گڑھ اور پرچارک ہیں۔ جہاں کا نظام از سر تا پیر اللہ تعالیٰ کی بغاوت پر قائم و رائج ہے۔ اس نوع کے طرزِ عمل سے بچنے کے لیے سورہ التحریم میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو خبردار کر دیا ہے : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ (آیت ۶) "اے لوگو! جو ایمان رکھتے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جس پر نہایت تُند خو اور سخت گیر فرشتے مامور ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے اور جو حکم بھی ان کو دیا جاتا ہے، اسے بجا لاتے ہیں"۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ایک بندۂ مومن کی ذمہ داری صرف اپنی ذات کو عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اپنی حدِّ استطاعت

© rasailojaraid.com

تک اپنی اولاد کو ایسی تعلیم و تربیت دے کہ وہ سچے اور پکے مسلمان بنیں اور وہ اپنی صلاحیتیں، اپنی توانائیاں، اپنا وقت اور اپنا مال اللہ کے دین کا بول بالا کرنے اور اس کا کلمہ بلند کرنے کے لیے بھی لگائیں۔ لیکن اگر ہم نے اپنی اور اپنی اولاد کی تمام ذہانتیں، تمام فطانتیں، تمام قوتِ کار اس حقیر دنیا کے لیے کھپا دیں تو گویا ہم بھی اپنی اولاد اور آئندہ نسل کے لیے سدِ راہ بن گئے ـــــ یہ تمام مفاہیم بھی درحقیقت وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں شامل ہیں ـــــ اسی میں اُس معاشرہ، نظامِ حیات اور نظامِ حکومت کو بھی شامل سمجھئے جو اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف اساسات پر قائم ہو چونکہ یہ معاشرہ بھی اپنے رسم و رواج اور اجتماعی نظام کے باعث دینِ حق کی حقیقی دعوت و تبلیغ، اس پر کامل طور پر عمل پیرا ہونے اور اس کی اقامت کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے باطل نظام کو جو لوگ تحفظ دینے والے ہیں وہ بھی اسی آیت کے ذیل میں آتے ہیں۔

آیت کا آخری حصہ: اب اس پہلی آیت کے آخری حصہ کی طرف آئیے۔ فرمایا: اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ "اللہ نے ان کے اعمال کو رائیگاں اور اکارت کر دیا۔" اس آیت کو اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کے اصول پر سورہ کہف کی دو آیات سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (آیات ۱۰۳-۱۰۴)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے (اللہ نے فرمایا ہے کہ) کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خاسر، ناکام اور نامراد کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری محنت، کوشش، بھاگ دوڑ راہِ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔"

کوئی محض دنیا کمانے کے لیے اہل و عیال اور والدین کو یہاں چھوڑ کر کہاں پہنچا ہوا ہے۔ بچے باپ کی محبت، شفقت اور تربیت سے محروم ہیں۔ بوڑھے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ماں باپ بلک بلک کر ان کا انتظار کر رہے ہیں اور اکثر ان کو آخری وقت دیکھنے کی حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ اکثر و بیشتر نے اس دنیا کی عارضی زندگی اور اس کی خوش حالی کو اپنا مطمحِ نظر اور مطلوب و مقصود بنا لیا ہے۔ حالانکہ آخرت کے اعتبار سے ان کی یہ ساری تگ و دو قطعی اکارت جائے گی ——— یہ تو ہوئی آیت کے اس حصّہ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ کی سورہ کہف کی آیات کی روشنی میں تاویلِ عام ——— اس سورہ کے نزول کے تناظر کو سامنے رکھیں تو اس کی تاویلِ خاص یہ ہوگی کہ مشرکینِ مکّہ اپنے زعم میں جو کام خیر کے کام سمجھ کر کرتے تھے مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی، حج کے انتظامات، حاجیوں کی خدمت، مہمانوں کی ضیافت اور دوسرے وہ کام جن کا شمار مکارمِ اخلاق اور مذہبی خدمات میں ہوتا تھا ——— اور اہلِ کتاب کے علماء اس گھمنڈ میں تھے کہ ہمارے پاس تورات ہے، ہم صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت ہیں۔ ہم نبیوں کی اولاد ہیں، ہم اپنی قوم کو اپنی شریعت پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے ہیں، ہم بِرّ اور خیر کے فلاں فلاں کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ ضَلَّ کو یہاں بابِ افعال سے لا کر اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا: اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ——— ہم نے بھٹکا دیئے اُن کے اعمال ——— ان کی ساری سعی و محنت اکارت گئیں۔ یہ اس میں مگن رہے کہ ہم خیر کے بہت سے کام کر رہے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کا راستہ روکنے کے لیے ریشہ دوانیاں، سازشیں اور کوششیں کرتے رہے اور اللہ کے دین کا بول بالا ہوتا چلا گیا۔ یہ دینِ حق کے راستہ کے سنگ گراں بننے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے اور جنابِ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت اور آپؐ کا پیغام جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا چلا گیا۔ یہ دشمنی اور عداوت میں لگے رہے اور اللہ نے دوسرے قبیلوں سے اپنے رسولؐ کے حامی کھڑے کر دیئے ——— مکّہ سے تین سو میل کی دوری کے فاصلہ پر یثرب سے اوس و خزرج کے لوگ آ کر جنابِ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے۔ حضورؐ کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دی اور آپؐ کے وہاں ورودِ مسعود کے نتیجے میں یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔ اور مدینہ کے اہلِ ایمان "انصار" کے معزز لقب سے مشرف ہوئے۔ یہاں فارسی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی یہ کہاوت بالکل درست آتی ہے کہ "تدبیر کند بندہ، تقدیر کند خندہ" — انسان اپنے طور پر خوب تدبیریں کرتا رہتا ہے اور تقدیر کھڑی مسکراتی رہتی ہے کہ یہ لوگ کس چکر میں ہیں، جبکہ ہوگا وہی جو مشیتِ الٰہی ہوگی — تو اللہ تعالیٰ نے أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ میں اسی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان مشرکینِ مکہ کی تمام تدبیریں جو وہ دارالندوہ میں بیٹھ کر دینِ اللہ اور جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر رہے تھے، وہ سب رائیگاں گئیں۔ وہ انہی کوششوں میں لگے رہے کہ ع ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں۔

وہ اسی فکر میں رہے کہ اگر یہ دعوتِ توحید لوگوں نے قبول کرلی تو ہمارے اقتدار کو زوال آجائے گا، یعنی اس مشرکانہ اور استحصالی نظام کے باعث جو سیادت و قیادت اور جو مراعات حاصل ہیں، وہ سب ختم ہوجائیں گی تو اس کو بچاؤ۔ ع نظامِ کہنہ کے پاسبانو یہ معرضِ انقلاب میں ہے — اپنی قوتوں کو مجتمع کرو اور اس دعوت و پیغام کا راستہ روکو۔ لیکن یہ ساری کوششیں، محنتیں، سازشیں، تدبیریں اکارت ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ضائع کردیا، ان میں سے کوئی بھی اپنے ہدف تک نہ پہنچ سکی۔ ان سب کو اللہ نے بھٹکا کر رکھ دیا۔

یہ تشریح و توضیح ہوئی اس سورہ مبارکہ کی اس پہلی آیت کی :

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ

جن لوگوں نے جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کیا، اور آپؐ پر جو کلامِ الٰہی نازل ہوا اس کا انکار کیا اور جنہوں نے اللہ کے راستے کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اللہ نے ان کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

قابلِ توجہ بات

اس موقع پر ایک ضروری بات نوٹ کیجیے کہ ابھی لوگوں کو وہ پانی پھرا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ یہ ایک نوع کی پیشین گوئی ہے۔ اس لیے کہ ابھی تو کفر کا زور ٹوٹا نہیں۔ البتہ غزوہ بدر کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ لیکن قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کا جو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

قطعی اور یقینی ہوتے ہیں، انہیں عام طور پر ماضی کے صیغہ میں [illegible] چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ قیامت کے حالات، [illegible] قرآن مجید [illegible] حشر کے حالات اور حساب و کتاب کی [illegible] ہیں، ان کا قرآن مجید میں اکثر و بیشتر ماضی کے صیغہ میں بیان ہوا [illegible] جو کچھ ہو چکا، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے [illegible] وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيبًا ۔" انہیں یہ چیز بڑی دور نظر آ رہی ہے اور وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔"

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com

بقیہ: مغرب کا معاشرہ

تہذیب سے، معاشرتی اور فکری عناصر۔ رومۃ الکبریٰ سے سیاست و قانون و فوجی نظام، نسلی تفاخر۔ اطالیہ سے عدم رواداری و خون ریزی۔ اسلام سے عہد حاضر کے سارے علوم کی بنیاد۔ ان تمام عناصر مستعار کیا تھا تکنیکی ترقی، سیاسی کامیابی اور عالمی استحصال نے مغرب کو ایک اعلیٰ اور بلند مقام دیا جہاں پہنچ کر اس نے انسانیت کو اپنے سے حقیر اور کمتر تصور کیا۔ انسان کو غلام بنایا۔ اس کا قتل عام کیا، دوسرے کے اقتصادی ذرائع اپنے لئے وقف کئے اور ساری دنیا کا استحصال کر کے صرف مغرب کی تعمیر کی۔ اپنی قدروں کو ارفع و اعلیٰ ثابت کرنے کے لئے دوسروں کی قدروں کی تذلیل کی۔

(جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپکی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.com